ادیب پیشاوری

سوانح حیات اور کلام

از جناب میر ولی اللہ صاحب ایڈوکیٹ ایبٹ آباد

اے بسا معنی کہ از نامحرمی ہائے زباں — باہمہ شوخی مقیم نسخہ ہائے راز ماند
وے بسا بالِ پری کز تنگیٔ دام و قفس — ساخت با آسودگی چندانکہ از پرواز ماند
بسکہ فطرت ہا بگردِ نارسائی خاک شد — یک جہاں انجام - جملہ پرورِ آغاز ماند
نغمہ ہا بسیار بود اما ز جہلِ مستمع — ہر قدر بے پردہ شد در پردہ ہائے ساز ماند
حُسن در اظہارِ شوخی رنگِ تقصیرے نداشت
چشم ہا غفلت نگہ شد - جلوہ محوِ ناز ماند (بیدل)

مسلمانانِ ہند کی فارسی سے بے اعتنائی قابلِ صد ہزار افسوس ہے کیونکہ اسلامی مذہبیات اور ادبیات کا جتنا خزانہ اس زبان میں ہے شاید ہی اور کسی زبان میں ہو۔

ہندوستان میں غالباً صرف ایک پشاور ہی ایسا شہر ہے جہاں بعض کشمیری ایرانی اور کابلی خاندانوں کی وجہ سے اب بھی اکثر گھروں میں فارسی بولی جاتی ہے لیکن یہاں بھی علوم فارسی سے بے توجہی اتنی ہی موجود ہے جتنی باقی ہندوستان میں۔

اس صحبت میں آپ کو پشاور کے ایک ایسے فاضل اور شاعر سے روشناس کرانا مطلوب ہے

جس کی ایران کے اہلِ زبان نے کماحقہٗ قدرشناسی کی لیکن جسے ہندوستان کے اہلِ وطن ایسا بھولے کہ گویا وہ کبھی ان میں کا تھا ہی نہیں۔

چند روز ہوئے میرے دوست مرزا عبداللطیف خاں سُسّن زئی نے جنھیں اس گئے گذرے زمانے میں بھی فارسیات سے گہرا تعلقِ خاطر ہے۔ ادیبِ پشاوری کا ایک مطبوعہ دیوان مجھے دکھایا یہ کتاب مطبعۂ مجلس۔ طہران میں بجمع و تحشیہ و تعلیقاتِ علی عبدالرسولی۔ بحروف ٹائپ طبع ہوئی ہے۔ سنہ طباعت ۱۳۱۲ (ہجری شمسی) (۱۳۵۲ھ ہجری قمری ۱۹۳۴ء) ہے۔ یہ دیوان ادیب کے فارسی اور عربی قصائد و غزلیات پر مشتمل ہے۔ بڑی تقطیع کے ۲۹۵ + ۱۷ صفحات ہیں۔ غلط نامہ علاوہ ہے ادیب کے دو فوٹو بھی ہیں ایک جوانی کا اور ایک بڑھاپے کا۔

جامع دیوان (علی بن عبدالرسولی) نے مقدمۂ کتاب میں شاعر کے مختصر مگر مستند حالات بھی لکھے ہیں۔ عبدالرسولی، ادیب کا شاگرد اور معتقد تھا۔ اور مدتوں اُن کے ساتھ رہا۔ مندرجہ ذیل بیانات اسی مقدمہ پر مبنی ہیں۔

نام و نسب | ادیب کا نام سید احمد تھا۔ سید شہاب الدین معروف بہ سید شاہ بابا کے بیٹے اور سید عبدالرزاق رضوی کے پوتے تھے وہ سادات اجاق سے تھے۔

ان کا خاندان صاحبِ زہد و تقوی اور اہلِ ذکر و دعا تھا۔ ان کا سلسلہ ارادت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمت اللہ علیہ پر منتہی ہوتا ہے۔

وطن | ادیب کا خاندان پشاور اور افغانستان کے درمیانی علاقے میں۔ جسے اب علاقۂ غیر یا قبائلی علاقہ کہا جاتا ہے، رہتا تھا۔ ادیب کا فوٹو خود ایک بیّن دلیل اس امر کی ہے کہ وہ اسی علاقے کے رہنے والے تھے۔ پشاور شہر میں بھی ان کا رہنے کا مکان تھا۔ اس نواح کے لوگ اس خاندان کے بڑے معتقد تھے۔ اور ان کے باطن سے طلبِ ہمت اور کسبِ فیض کرتے تھے۔

ولادت | سید ادیب سنہ ۱۲۶۰ھ (قمری) بسنہ ۱۸۴۴ء کے قریب پشاور شہر میں پیدا ہوئے۔ مدرسے جانے کی عمر ہوئی تو والد نے انھیں مکتب میں بھیج دیا تاکہ پڑھنا لکھنا سیکھیں۔ تعلیم کے ابتدائی مراحل آپ نے اسی دبستان میں طے کئے۔ اس کے بعد آپ ادبیات و علوم کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔

مثنوی مولانائے روم کی طرف توجہ کا عجیب واقعہ | وہ زندگی کے اسی مرحلے میں تھے کہ ایک روز وہ پشاور کے بازار سے گزر رہے تھے۔ ایک درویش نہایت خوش الحانی کے ساتھ مثنوی مولانائے روم سے صلح حدیبیہ کا قصہ پڑھ رہا تھا جب وہ اس بیت پر پہنچا ؎

ناگہاں در حقِ آں شمعِ رسل   دولتِ انّا فتحنا زد دہل

جب ادیب نے یہ شعر سنا تو بیخود ہو گئے۔ حالت دگرگوں ہوگئی اور اسی جذب کی حالت میں سر کو دیوار پر مارا۔ سر زخمی ہو گیا اور خون بہ نکلا۔ بقولِ سعدی

نہ بینی کہ اُنانکہ صاحب دلند   بہ آوازِ دولاب مستی کنند

اس کے بعد وہ مثنوی میں ایسے مشغول ہوئے کہ ہر وقت اسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔

انگریزوں سے لڑ کر افرادِ خاندان کا شہید ہونا | یہ وہ زمانہ تھا جب اضلاعِ سرحد میں چھینی ہوئی آزادی کو واپس لینے کے لئے لڑائیاں جاری تھیں۔ ایسے موقعہ پر ایسے خاندان کا اِس قومی جہاد سے برکنار رہنا ممکن نہ تھا چنانچہ وہ میدان میں آ گئے۔ عمّالِ انگلشیہ سے لڑتے ہوئے نہ صرف ادیب کے والد شہید ہوئے بلکہ خاندان کے افراد کی اکثریت چچوں کے لڑکے۔ اکثر اعزا و اقارب اور ذوالارحام جامِ شہادت کا آبِ حیات پی کر زندۂ جاوید ہو گئے۔ ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاءٌ عند ربھم یرزقون (۳-۱۶۹)

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را   ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

وطن سے ہجرت | اِن حالات میں ادیب کا اپنے وطن میں اقامت پذیر رہنا ممکن نہ رہا۔ چنانچہ وہ اپنی مظلوم بوڑھی ماں مہد علیا کو جو سادات حسینی سے تھیں اور جن کا سلسلۂ نسب حضرت سجاد سے ملتا ہے۔ وطن میں چھوڑ کر درد و سوز کے کارواں در کارواں دل میں لئے کابل کی طرف روانہ ہو گئے۔

سفر اور تعلیم | دو سال کابل میں رہے اور آقا خوند ملا محمد معروف بہ آل ناصر سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ وہاں سے غزنی چلے گئے۔ اور حکیم سنائی کی تربت اور سلطان محمود غزنوی کے مقبرہ باغ فیروزہ پر مقیم ہو گئے۔ اڑھائی سال سے کچھ زیادہ وہاں اقامت کی اور ملا اسعد الدین سے جن کا شجرۂ نسب خلیفۂ اول رضہ سے ملتا ہے اور جو حکمت اور فنونِ ادب کے مشہور استاد تھے تحصیلِ علم کرتے رہے۔

غزنی سے ادیب ہرات آ گئے اور چودہ مہینے وہاں رہے۔ اس کے بعد تربتِ شیخ جام کی طرف روانہ ہو گئے اور ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ وہاں گزارا۔

قریباً تیس سال کی عمر میں وہاں سے وہ مشہد آ گئے اور علوم ادب و حکمت کی تحصیل و تکمیل میں لگ گئے۔ اور وہاں کے مشہور مدرس مرزا عبد الرحمٰن سے حکمت اور ریاضی اور آخوند ملا غلام حسین شیخ الاسلام سے فلسفہ اور علوم عقلیہ پڑھتے رہے۔ اور علومِ ادبیہ کی تکمیل میں بالخصوص کوشش کرتے رہے۔ چنانچہ ذوقِ فطری اور حدّتِ ذہن اور قوتِ حافظہ کی برکت سے وہ اس فن میں ماہرِ کامل ہو گئے اور اپنے معاصرین و اقران پر فوقیت حاصل کر لی۔

۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) میں ادیب سبزوار آ گئے۔ یہ شہر اُن دنوں علوم حکمت کا مرکز اور طلبائے معقول اور اہلِ معرفت کا مجمع تھا۔ دو سال تک استاد الحکما و المتالہین حاجی ملا ہادی سبزواری کی صحبت سے مستفیض ہوئے اور اُن ہی کے کہنے پر اُن کے لڑکے آقا خوند ملا محمد کے حلقۂ درس میں بیٹھتے رہے اور آخوند ملا اسمٰعیل سے بھی اس فن میں مستفید ہوتے رہے۔

حاجی سبزواری کی وفات کے بعد ادیب مشہد واپس آ گئے اور میرزا جعفر کے مدرسے

میں سکونت گزیں ہو گئے۔ اب وہ خود علم و فضل میں مشہور ہو گئے تھے۔ اور اماثل و افاضل کشائی یہ انھیں لوگ ادیبِ ہندی کہا کرتے تھے۔

معلمی | یہاں انھوں نے خود بساطِ افادت بچھائی اور پڑھانے لگے۔ بڑے بڑے دانشمند بزرگ برغبتِ تمام اُن سے فیض حاصل کرنے اور ان کی صحبت سے مستفید ہونے کو غنیمت سمجھتے تھے۔

طہران میں ورود | سنہ ۱۳۰۰ ہجری قمری (۱۸۸۳ء) میں وہ طہران آ گئے۔ میرزا سعید خاں وزیر امور خارجہ کی معرفی سے۔ جو اُن دنوں مشہد مقدس میں آستانِ قدس کی تولیت سے بہرہ مند تھے۔ ادیب میرزا محمد علی خاں قوام الدولہ کے ہاں آ گئے۔ انھوں نے آپ کی تشریف آوری کو مغتنم سمجھا۔ اور جب تک جیتے رہے آپ کی تعظیم و تکریم میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ وہاں کے فاضل اور ادیب آپ کی صحبت کو غنیمت جانتے اور ان کی ہم نشینی کو عزت سمجھتے تھے۔

مشاعروں میں شرکت | اُن دنوں سید محمد بقا کے مکان پر ہفتہ میں ایک بار انجمنِ شعرا کا جلسہ ہوتا تھا۔ ادیب بھی گاہے ماہے بر سبیلِ تفنن ان جلسوں میں شریک ہو جایا کرتے تھے۔ یہ سید محمد بقا جامعِ دیوان علی عبدالرسولی کے استاد تھے۔ علی بھی ان جلسوں میں موجود ہوتے تھے وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے میں نے ادیب کی جو نظم سنی۔ وہ ایک قصیدہ تھا جو انھوں نے اس مشاعرے میں پڑھا اور جس کا مطلع یہ ہے۔

تا بید بر میاں چو کمر زلفِ تابدار　　　بر نیم تار بست مہ من ہزار تار

معشوق کی کمر کی باریکی کے بیان میں موئے کمر کہہ کر شعرا کمر کو تارِ موی سے تو تشبیہ دیا ہی کرتے تھے اور یہ مضمون خاصا پامال بھی تھا۔ ادیب نے بال کی بھی کھال اتار کر کمر کو نیم تار کر دیا

ناصر الدین شاہ قاچار سے تعارف | بادشاہِ ایران ناصر الدین شاہ قاچار نے جب آپ کے فضائلِ علمی کا شہرہ سُنا تو اُسے آپ کی ملاقات کا شوق ہوا اور انھیں اپنے حضور میں طلب کیا۔ چنانچہ آپ

سید محمد بقا مذکور کے ساتھ حضورِ شاہی میں تشریف لے گئے اور موردِ الطافِ شاہی ہوئے بقولِ سعدی

اگر گوہرِ قیمتی غم مدار کہ ضائع نگرداندت روزگار

عبدالرسولی سے ربط | جامع دیوان کی ادیب سے پہلی ملاقات ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۷ء میں انجمن شعراء کے ایک اجلاس میں ہوئی۔ جامع اُن دنوں سید بقا کی شاگردی میں خطِ نسخ کی مشق کرتا تھا اور شاعروں میں اکثر موجود ہوتا تھا۔ گو ابھی وہ نوآموز تھا اور مراتبِ ادبی کی تشخیص کے ناقابل۔ تاہم وہ ادیب کے فضائل و شمائل پر ایسا فریفتہ ہوا کہ اُسے ان کی ملازمت اور صحبت کا شوق ہو گیا۔

اتفاق یوں ہوا کہ حاجی میرزا عبداللہ کاتب المتخلص بہ دانا کے حجرے میں ادیب کا آنا جانا زیادہ ہو گیا۔ عبدالرسولی بھی اکثر وہاں ہوتا تھا۔ اور بسا اوقات یہ دونوں دن دن بھر اکٹھے ہوتے تھے۔ اس طرح عبدالرسولی کی مراد بر آئی۔ مزید یہ کہ دانا اتفاقاً سفر مکہ و ہندوستان پر روانہ ہو گیا۔ اور قریب دو سال باہر رہا۔ اس دوران میں دانا کی جگہ جامع دیوان ہی اس حجرہ میں اقامت پذیر ہو گیا۔ اور اس طرح وہ ادیب کے دوامِ صحبت سے مستفیض ہونے لگا۔ اور رشتہ الفت و ارتباط ایسا بڑھا کہ عمر بھر قائم رہا۔

جمعِ دیوان | شروع شروع میں ادیب کے دو تین قصیدے اور چند غزلیں جامع کے ہاتھ آگئیں اُس نے انھیں خوشخط لکھ کر آپ کی نظر سے گزارا اور تقاضا کیا کہ جب آپ کوئی نظم لکھیں تو اُس کا نسخہ اُسے عنایت کریں۔ تاکہ جمع و تدوین کے کام سے وہ سرفراز ہو سکے۔

چنانچہ ادیب اپنی ہر نئی نظم جامع کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ عمر بھر یہی دستور رہا۔ اِس تعلق سے پہلے کی کئی نظمیں ضائع ہو گئیں اور کئی ایک عبدالرسولی نے دوسرے لوگوں سے اور بعض پھٹے پُرانے مسودات اور متفرق اوراق سے مرتب کر لیں۔

ادیب کی کم آمیزی | اُن مصائب و نوائب کے باعث جو ادیب کو کم عمری کے زمانے میں پیش آئے

اُن کی طبیعت میں کم حوصلگی اور تند خوئی تھی - ان کی دو عکسی تصویروں کو جو شاملِ کتاب ہیں دیکھ کر اُن کی تند خوئی کا خود بخود اندازہ ہو جاتا ہے - وہی علاقۂ غیر کا چہرہ - وہی خال و خط اور وہی نقوش کی درشتی۔ مصائب کے اثر کے علاوہ اُن کی زاد بوم کی خصوصیتیں بھی یقیناً ان کی طبیعت پر اثر انداز ہوئی ہوں گی۔

وہ لوگوں کے ساتھ الفت و انس کم کرتے تھے۔ اور بہت کم ملتے تھے۔ اسی لئے وہ درس دینے میں بھی چنداں رغبت نہیں رکھتے تھے۔ اتفاقاً کسی دوست کو کبھی ریاضیات اور ادبیات کا درس دیدیا تو دیدیا۔

مطالعہ | اُن کا زیادہ وقت مطالعہ میں گزرتا تھا اور ہمیشہ اپنے محفوظات کے تکرار میں مصروف رہتے تھے۔ حتیٰ کہ رستے میں چلتے چلتے بھی وہ پڑھنے سے باز نہیں آتے تھے۔

شعر خوانی | انھیں کم خوابی کی تکلیف تھی۔ کبھی کبھی دو تہائی رات گئے تک اور کبھی سحر تک اپنے مخصوص انداز میں ترنم کے ساتھ شعر گنگناتے رہتے تھے۔ اس طرح کہ سننے والا باوجود کوشش کے کوئی لفظ سمجھ نہ سکتا تھا۔ وہ کبھی شعر خوانی سے تھکتے نہ تھے۔ اکثر مثنوی مولانائے روم اور کبھی کبھی عربی قصیدے پڑھا کرتے تھے۔

حافظہ | ادیب کے حافظے کے عجیب عجیب قصے مشہور ہیں۔ شیخ محمد خان قزوینی اپنی کتاب بیست باب میں لکھتے ہیں کہ "مجھے ادیب کا حافظہ دیکھ کر حماد راویہ یاد آجاتا ہے۔ کتبِ ادبیہ میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ شعرائے جاہلی میں سے اُسے حروفِ تہجی کے ایک ایک حرف پر سو سو لمبے قصیدے یاد تھے۔ علاوہ مقطعات کے۔ شعرائے اسلامی کا تو ذکر ہی کیا۔"

سید محمد تقا کا کہنا ہے کہ جب کبھی انجمن میں کوئی آدمی ادیب کے سامنے قصیدہ پڑھتا تھا اور پھر دو مہینے کے بعد کہیں اُس قصیدے کا ذکر آجاتا تھا تو ادیب اس قصیدے کے شروع

درمیان اور آخر کے چند شعر زبانی سنا دیا کرتے تھے اور آخر کار بے توجہی کے عالم میں ہی ناقص صورت میں سارا قصیدہ سُنا دیتے تھے۔

مثنوی حفظ تھی | جامع دیوان کا بیان ہے کہ میں نے خود ادیب سے سنا کہ جب وہ خراسان میں تھے اور مزاج پورے اعتدال اور استقامت پر تھا تو اکثر شہر کے باہر لوگوں سے دُور نکل جایا کرتے تھے اور تیز چلنا اور مثنوی پڑھنا شروع کر دیا کرتے تھے۔ گرم خوانی کی یہ حالت ہوتی تھی کہ رستے میں گڑھا اور پتھر نظر نہ آتا تھا۔ اور کئی دفعہ گر پڑتے تھے۔ ان دنوں اُنھیں مثنوی کے چھ کے چھ دفتر مرتباً زبانی یاد تھے۔ وہ ڈرا کرتے تھے کہ کہیں اختلالِ حواس کی نوبت نہ آجائے۔ بڑی مشکل سے انھوں نے اس عادت کو چھوڑا، لیکن اقامتِ طہران کے زمانے میں یہ عادت پھر عود کر آئی۔ جب کبھی وہ کسی دوسرے کام میں مشغول نہیں ہوتے تھے تو مثنوی پڑھتے رہتے تھے۔ ایک لحظہ بھی آرام نہیں کرتے تھے۔

تجرد | ادیب تمام عمر تنہا اور مجرد رہے۔ زن و فرزند خانہ و خواستہ غرضیکہ دنیا کے تمام تر تعلقات سے آزاد رہے اور کسی قسم کی بندھن گوارا نہ کی۔

سوائے تن کے لباس اور چند ایک کتابوں کے اُن کے پاس اور کچھ نہ تھا۔ طمع و آز سے ہمیشہ سختی کے ساتھ برکنار رہے۔ خوشامد کی اُن میں بُو نہ تھی۔ بغیر کلمۂ حق کے کسی نے کبھی ان کی زبان سے کوئی بات نہ سنی۔ عالی ہمت اور مستغنی طبع تھے، مداہنت اور تزویر چھُو تک نہیں گئی تھی یہی وجہ تھی کہ اظہارِ عقاید میں اُن کے لہجے کی صراحت اکثر اوقات لوگوں کی طبیعتوں پر گراں گزرتی تھی۔

حبِ وطن | اُن کا تعلقِ خاطر زیادہ تر سیاسیات کے ساتھ تھا اور اُن کی گفتگو اکثر اسی باب میں ہوتی تھی۔ حبِ وطن اور مملکت کے استقلال کا عشق گویا اُن کا مذہب تھا۔ وطن کے ساتھ خیانت اور اغیار خصوصاً انگریزوں کی طرف میلانِ طبع کو سب سے بڑا گناہ سمجھتے تھے، چنانچہ آپ اُن کے کلام کے ذکر میں دیکھیں گے کہ اُن کے اکثر قصائد اور مثنویات اسی موضوع پر ہیں۔

مدح سے پرہیز | ادیب نے عمر بھر کسی کی مدح نہیں کی یعنی مال کی طمع کی بنا پر کسی کی جھوٹی تعریف نہیں کی۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں۔

نیستم من چوں دگر گویندگاں۔ داند خدا کوز طمع زر طریقِ مدح وشیوۂ ذم گرفت

عالم نمایانِ بے حقیقت کو سخت برا سمجھتے تھے اور اہلِ حقیقت وصلاح ودیانت سے بہت محبت کرتے تھے

دوستوں سے محبت | ایک دفعہ اُن کا ایک دوست پردیس میں مرگیا۔ اس پر وہ بہت متاثر اور پریشانِ خاطر ہوئے۔ کہتے تھے۔ میرا خیال تھا کہ چونکہ دنیا میں میرے اہل وفرزند کوئی نہیں۔ اس قسم کی مصیبتوں سے بچا رہوں گا۔ لیکن اب دیکھتا ہوں کہ اگر میرا جوان بیٹا یا بھائی مرجاتا تو میں اس سے زیادہ غمگین نہ ہوتا۔ جتنا اب ہوں۔

فضائلِ علمی | ادیب اتنے شاعر نہ تھے، جتنے عالم، صرف ونحو۔ لغت ومنطق وکلام۔ معانی و بیان۔ عروض وقافیہ۔ ہیئت ونجوم۔ حساب وہندسہ اور تاریخ وتفسیر میں تبحرِ تام حاصل تھا۔ فلسفہ اور الہیات میں کامل تھے۔ فوق العادت حافظہ کی وجہ سے اُن کی معلومات کے خزانے معمور رہتے تھے جو کچھ کبھی پڑھا یا دیکھا۔ اُس کا بیشتر حصہ انھیں یاد تھا۔ فارسی اور عربی لغات میں استحضار کی یہ کیفیت تھی کہ کسی سوال کے جواب میں انھوں نے کبھی لا ادری (نمیدانم) نہیں کہا۔

اُن کے خصائص وفضائل کے اس پہلو کی طرف بہت کم لوگوں نے توجہ کی کہ وہ عرب وعجم کے نساب تھے اور قدیم وجدید انساب بہت خوب جانتے تھے۔ مختلف مذاہب وملل کی تحقیق میں بھی دسترس تھی۔

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ کئی قرون سے مادرِ گیتی نے ایران کی گود میں ایسے فرزند کی پرورش نہیں کی۔ جامعِ دیوان کہتا ہے کہ اس بات کو مبالغے پر محمول نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ فی الواقعہ

وہ وحیدِ عصر اور فریدِ دہر تھے۔ اُن کے معاصرین میں سے کوئی فاضل جامعیت اور تمامیت میں اُن کے برابر نہ تھا۔

شعرِ عرب اور متقدمین شعرائے عجم کے متعلق اُن کی معلومات کی وسعت کا یہ حال تھا کہ اگر کوئی شخص ان دو طبقوں کے کسی بڑے شاعر کا کوئی شعر پڑھ دیتا اور شاعر کو نہ جانتا تو ادیب اس سے آگے اور پیچھے کے شعر سُنا دیتے۔ اور شاعر کے حالات اور تاریخ بیان کر کے سائل کو مستغنی کر دیتے۔

آپ نے تاریخِ بیہقی پر جو حواشی اور تعلیقات لکھی ہیں۔ ان سے تاریخ وادبیات میں اُن کی اطلاعات کی وسعت اور معلومات کی گہرائی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

وفات | ۲ محرم ۱۳۴۹ھ ، ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء کی صبح کو آقائے بہار الملک کے مکان پر معمول سے ذرا پہلے اپنے سونے کے کمرے سے نکلے اور علی کے کمرے میں آگئے۔ اور کہا کہ میں طبیعت میں کسالت اور سنگینی محسوس کرتا ہوں اور طبیعت ناساز ہے۔ اس کے بعد وہ پھر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد انھیں سکتہ ہو گیا۔ اور دائیں طرف فالج ہو گیا۔ پورا ایک مہینہ بستر پر رہے۔ مزاج میں ضعف تھا اور عمر نوے سال کے قریب تھی۔ علاج معالجہ بے اثر رہا۔ ۳ صفر (۳۰ جون) کو جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

مدفن | دوسرے روز انھیں مزار زادہ عبداللہ میں دفن کر دیا گیا۔ وزرا اور اکابر و اعیانِ مملکت جنازے میں شامل ہوئے۔

ماتمی جلسے | مدرسۂ سپاہ سالار میں مجلسِ ماتم منعقد ہوئی۔ وزارتِ معارف اور انجمنِ ادب میں بھی ماتمی جلسے ہوئے۔ وزراء، علما اور اعیانِ سلطنت نے شمولیت کی۔ تقریریں ہوئیں اور نظمیں پڑھی گئیں۔ عربی اور فارسی مرثیے سنائے گئے۔

تصانیف | (۱) دیوان قصاید و غزلیات فارسی (۴۲۰۰) بیت۔ قصائد و قطعات عربی (۳۷۰) بیت

(۲) رسالہ دربیانِ قضایائی بدیہیات اولیہ۔

(۳) رسالہ نقدِ حاضر۔ دیوان ناصر کی تصحیح میں۔ جو جامعِ دیوان کے نام لکھا ہوا۔ یہ نسخہ ناتمام رہا

(۴) مثنوی در بحرِ متقارب۔ جس کا نام قیصر نامہ جامعِ دیوان نے رکھا۔ اور ادیب نے یہ نام پسند کیا۔ چنانچہ نقدِ حاضر میں آپ نے اس مثنوی کو اسی نام سے یاد کیا ہے (۱۴۰۰) بیت۔ جامع نے اسے مرتب اور محشی کر رکھا ہے۔ تاحال طبع نہیں ہوئی۔

(۵) ترجمہ اشارات شیخ الرئیس۔ بعض دوستوں کی خواہش پر متنِ اشارات کا ترجمہ کیا اور ایک بیانِ مختصر اپنی طرف سے ایزاد کیا۔ یہ نسخہ بھی ناتمام رہا۔ کیونکہ اجل نے مہلت نہ دی۔

(۶) حواشی و تعلیقات بر تاریخِ بیہقی۔

قضایا اور نقدِ حاضر دیوان کے ساتھ چھپ گئے ہیں۔

کلام | ۱۔ ادیب نے قصیدے زیادہ لکھے ہیں، غزلیں کم۔ بعض قصیدے بہت لمبے ہیں۔ ایک ہی قافیہ لے کر صدہا شعر لکھ جاتے ہیں۔ پرانے قصیدہ گو شاعروں کی طرح وہ بھی الفاظ کی شوکت کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ بہت متین گو ہیں۔ بازاری لفظ یا خیال غالباً ایک بھی دیوان میں موجود نہیں۔

۲۔ مختلف علوم میں ان کی اطلاعات کی وسعت کے آثار تمام کلام میں نمایاں ہیں۔ بہت پامال مضمون کم لکھتے ہیں اور کہیں کہیں ایسے موقعہ پر تھوڑا بہت تصرف کر کے پرانی چیز کو نیا بنا دیتے ہیں۔ اس کی ایک مثال آپ پڑھ چکے ہیں۔

۳۔ تشبیہات اور استعارات میں پرانی لکیر کی فقیری کم کی ہے۔ اس بارے میں وہ ہندوستانی الفاظ اور ہندوستانی اشیاء کو بکثرت استعمال کرتے ہیں جو فارسی شاعری میں نئی چیز معلوم ہوتی ہے بعض دفعہ الفاظ کو نئی ترکیبیں بھی دے جاتے ہیں۔ جس سے ان کے قادر سخن ہونے کی شہادت ملتی ہے۔

(۴) منطق۔ فلسفہ۔ تاریخ۔ ہیئت وغیرہ علوم کے مصطلحات بھی بہت بے تکلفی سے بعض دفعہ استعمال کر لیتے ہیں۔ لغاتِ عرب وعجم کی مہارت تو قریباً ہر نظم سے ثابت ہوتی ہے۔ جامع دیوان کا یہ کہنا کہ ان کے استعمال شدہ الفاظ کو جمع کرنے سے ایک فرہنگ بن سکتی ہے زیادہ مبالغہ آمیز نہیں۔

(۵) بعض دفعہ بہت مشکل گوئی بھی کر جاتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک شعر کے متعلق عبدالرسولی نے جرأت کر کے کہدیا کہ اِسے ہزاروں میں سے کوئی ایک آدمی سمجھ سکے گا۔ ادیب نے جواب دیا کہ میں نے یہ شعر اُسی ایک آدمی کے لئے کہا ہے۔

(۶) دوسرے شعراء کے مضامین کو اپنی نظم میں باندھنے سے بڑا پرہیز کرتے ہیں اور عموماً نئی نئی باتیں ہی کہتے ہیں۔

(۷) جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے وہ شاعر سے زیادہ عالم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں شوخی اور رندی بہت کم ہے۔

(۸) سیاسیات کو تو گویا وہ اپنا مذہب و مسلک بنائے ہوئے تھے۔ شاید ہی کوئی ایسا قصیدہ ہو جس میں یہ مضمون مستقلاً یا ضمناً موجود نہ ہو۔ انگریزوں سے اور دوسرے اغیار سے بہت نفرت کا اظہار کرتے ہیں۔

(۹) حبِ وطن اُن کے ہر قصیدے سے ظاہر ہے۔ تمام عمر ہندوستان سے باہر گزاری۔ لیکن کسی نظم میں ہندوستان کو، ہندو اور مسلمان کو اور ہندوستانی سیاست کو نہیں بھلایا اور انگریزوں کو وہ کھری کھری سنائی ہیں کہ یاد رکھیں گے۔

(۱۰) ایران سے ان کی محبت بھی ان کے قصائد سے ظاہر ہے۔ تمام عمر انھوں نے ایران میں ہی گزاری۔ اس لئے یہ جذبہ قدرتی تھا۔

(۱۱) غزل تو بغیر رندی اور شوخی کے لطف ہی نہیں دیتی اس لئے انھوں نے غزلیں لکھی بھی کم ہیں

اور جو ہیں وہ بھی قصائد کے شروع کے تمہیدی رنگ تغزل کی طرز کی۔

نمونۂ کلام سے جو ذیل میں درج ہے، ان کے کلام کی خصوصیتیں اور خوبیاں خود ظاہر ہو جائیں گی۔

قصائد دیوان کے شروع میں قصیدے کے شروع کے چند شعر جو پند و حکمت میں ہیں۔ ملاحظہ کیجئے

مگر کہ مرگ۔ دولت برکندا زیں دنیا   کہ دردِ حمق ندارد بجز کہ مرگ دوا

نگار کردہ رخان دبکار بردہ عبیر   ہمی فریبدت ایں گندہ پیر پشت دوتا

بلعل و گوہر دارد نہفتہ گردن و گوش   بزرّ و زیور دارد نہاں چکادہ[1] و پا

ہمی بصنعت ارژنگ[2] چہرۂ ارژنگ[3]   کند چو صفحۂ ارژنگ[4] خرم و زیبا

ہزار دام و تلہ برنہادہ دارد سخت   براہت اندر ہر یک نہان و ناپیدا

تو پائی بستہ بدام اندرون و پنداری   کہ رستہ گشتہ و آزادۂ خجوک[5] بلا

چدار[6] سخت بپا بر نہادت ایں جادو   قوی کمند بگردن فگندت ایں رعنا

گرایں چدار بدری۔ بدر روی از خرچ   ورایں کمند ببرّی چو جاں شوی بصفا

مکن مقام بویرانہ گرنہ خرکوف[7]   بروں خرام ازیں خانہ پاک چوں عنقا

یہ مضمون ایسا ہے جس پر قریباً ہر شاعر نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے لیکن پڑھنے والا یہ محسوس نہ کریگا کہ ادیب[1] نے کسی کا کوئی خیال جوں کا توں لے لیا ہے۔ عجوزۂ ہزار داماد کو انھوں نے یہاں بالکل نئے زیوروں سے آراستہ کیا ہے اور اس کے سحر و فسوں کو بھی نئے لفظوں میں بیان کیا ہے۔

ایک رزمیہ قصیدے کے چند شعر دیکھئے۔

---

(۱) قصیدہ ہی کیا جو فرہنگ کی مدد کے بغیر پڑھا جاسکے۔ لیجئے ۱ بالائے سر و پیشانی۔ ۲ مشہور نقاش مانی کا نام۔ ۳ ایک دیو کا نام جسے رستم نے قتل کیا تھا۔ ۴ مانی کا مرقع تصاویر۔ ۵ محکم ۶ پائی بند اسپ و استر۔ ۷ اُلو۔

رومیشہ شاہیں لنگرہا آہنی چنگالہا — گسترده اندر باختر پرہائے کین و بالہا
بگشادہ از منقارہا پرسانِ دوزخ غارہا — فدغار جستہ مارہا تفتیدہ دُم و بالہا
پیکار جویان فرنج بیہودہ درکیں راہ رنج — ولز کوہ باتوف و تفنگ انگیختہ زلزالہا
زاں بانگ ہائے سہمناک در دیدہ شد پیوند خاک — شد سرو خمیدہ چو ناک افتاد ز استقلالہا
سقلابیاں تیز جنگ بر خویش بستہ ساز جنگ — چوں شیر بچگاں بیدرنگ جستہ بروں از نالہا
از دل بروں انگندہ باک بسپردہ تن ہا بر ہلاک — یا تحت شاہد یا مغاک مارا دریں احوالہا

دیکھئے اس قصیدے کا ایک ایک لفظ جنگ کی ہولناکیاں اپنے ساتھ لئے ہے۔ ان اشعار کو ذرا جلی آواز میں ایک ایک مصرع کے دو دو ٹکڑے کر کے اس بحر کے مخصوص انداز میں پڑھئے تو یقیناً سننے والوں کے سامنے لڑائی کی تمام تر سہم ناکیوں کا نقشہ کھنچ جائیگا

ایسی نظم میں شاعر کے سامنے سب سے بڑا کام مناسب الفاظ کا انتخاب ہوتا ہے۔ ادیب یقیناً اس کام میں کامیاب رہے ہیں۔ اس نظم میں زلزالہا کا لفظ پڑھ کر اذا زلزلت الارض زلزالھا واخرجت الارض اثقالھا الآیہ یاد آجاتا ہے۔ دیکھئے ان آیات کو پڑھ کر قیامت کا نقشہ اپنی تمام زہرہ گداز حقیقتوں کے ساتھ کس طرح انسان کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے یہ انتخابِ الفاظ کا طلسم ہے۔

خمیدہ کو مشدد اور بچگان کو مخفف کرنا بھی زور آور آدمی کا کام ہے، ہر کسی کا نہیں۔ ادیب بہت مقامات پر الفاظ اور تراکیب میں اس طرح کا تصرف کر لیتے ہیں اور وہ معیوب بھی نظر نہیں آتا۔

ایک قصیدے کے شروع کے تغزل کے چند شعر سنئے۔

چتر گیسوئے ترا خاصیتِ بالِ ہماست — مملکت خوبی مسلم زیں سبب روئے تراست
در نگارستانِ چیناں نگارے کس ندید — با چنیں ناز و ملاحت ہاکہ در روئے شماست
ماہ را از آفتاب و آفتابِ چرخ را — ہم ز خورشیدِ دگر یعنی ز روئے تو ضیاست

چینستان دیکھیے۔ ادیب کی اپنی ترکیب ہے اس طرح وہ کئی نئے لفظ گھڑ لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر لطافت ور شاعر قواعد وضوابط اور حدود وقیود کی پابندیوں کو اپنی آزادی اور آزادگی کے خوف کے منافی سمجھتا ہے۔ اسی قصیدہ میں ایک شعر ہے۔

روز ہا بر گردِ گل می گردد وشب بر گردِ شمع　　زندگی جز بہرِ پروانہ بسر دن خطاست

پروانے کے رات کے کاروبار تو معلوم عوام ہیں لیکن اُس کی دن کی مصروفیتوں کا حال اس سے پہلے میں نے کبھی نہیں پڑھا تھا۔ اب ادیب کے اس شعر سے معلوم ہوا کہ یہ ننھی سی جان رات بھر شمع پر قربان ہوتی رہتی ہے اور دن بھر پھولوں پر نثار اور غالباً یہ بیان درست بھی ہے۔ یہ نہایت چھوٹی بظاہر حقیر سی ہستی جس کا سینہ سوزِ بے پایاں کا خزینہ ہے دن بھر بیکار کس طرح بیٹھ سکتی ہوگی۔

جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے۔ ادیب کی شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت ان کی حبِ وطن ہے۔ چنانچہ "در الفاظ وانباہِ ہندواں فرماید" ہندو سے یہاں مراد ہندوستانی ہے۔

چشمِ روشن بینِ آدم اندکے چوں نم گرفت　　دیو آنگہ کامِ خود از حضرتِ آدم گرفت
چوں غبارِ غفلتے بر چشمِ جم پردہ کشید　　دیو فرصت دیدہ شد از کلکِ[۱] جم خاتم گرفت
ہاں وہاں اے زادۂ ہندوستاں ہشیار باش　　کز رواغفالِ دیوت راہِ صوت ودم گرفت
گر بُدے باخاک انبودہ بدے بہتر ازیں　　کز شما نیرنگ لندن ستلج وجیلم گرفت
آبروئے ترک وہند بزمیں ریزید چوں　　لندنی جمنا گرفت ودوس رودِ زم[۲] گرفت
وز ہر کس کہ بود اورا خیانت در سرشت　　از برائے خویش اورا خاصہ ومحرم گرفت
شور شد ہندوستاں بر لندنی از کار تو　　بر تو ماتم گشت وہم از کار تو ماتم گرفت
بہرِ او آباد وبہرِ تو خراب از دستِ تست　　اے شگفتا یک زمیں ایں دو صفت باہم گرفت

---

۱ انگلی۔ ۲ دریا کا نام۔

چوں خدا تاں داد جنبش دل فراہم آورید | آں شنیدستی کہ قوم متفق عالم گرفت
یکدلی تاں راست خواہد کرد ایں بالائے کوثر | سالہا از دود لی تاں راست بالاخم گرفت
متفق بودن بہم اے زادۂ ہندوستاں | شد ببام عرش بر ہر کو چنیں سلّم[۵۱] گرفت
کردہ دین عیسوی ترویج اندر ملک ہند | ہر کشیشے کو بدزدی جا دراز مریم گرفت

انگریزوں سے خطاب ہے۔

ہر بدی در ہر کجا بر ہر کہ صادر شد ز تو | ہیں مبرظن کش دبیر دہر را یہ قم[۵۲] گرفت
در حواس دہر نبود خوف نسیان و ذہول[۵۳] | ہست حاضر گر ز تو واضح و گر مبہم گرفت
آنچہ در ہندوستاں از قتل و نہب و صلب رفت | بر تو باد افراہ[۵۴] ہر یک آسماں مبرم گرفت

ان اشعار میں چند چیزیں قابل غور ہیں۔

(۱) کسی قوم کے غافل ہو جانے پر سلطنت اس سے چلی جاتی ہے ہندوستان میں بھی یہی کچھ ہوا۔
(۲) محکوم قوم کے خائن لوگ حاکم کے مصاحب بن جاتے ہیں۔
(۳) وہی ملک حاکم کی اغراض کے لئے آباد اور محکوم کی محرومی کے لحاظ سے ویران بن جاتا ہے۔
(۴) محکوم قوم کی اپنی بداعمالیوں سے ملک میں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔
(۵) ہندوستان کی مختلف قوموں کو یکدلی اور اتفاق کی ترغیب۔
(۶) عیسائی پادریوں کی شدید مذمت
(۷) انگریزوں کو تنبیہ کہ ایک دن آسمان تم سے مظالم کا بدلہ لے گا۔

ایک اور قصیدے کے اشعار ہیں۔

ایدوں منم از کار ہند و ز روز نیرو تار ہند | کیفر ازیں جبار ہند یا آہ دل خواہم کشید

---

[۵۱] زینہ۔ [۵۲] نہ لکھا گیا۔ [۵۳] غفلت۔ [۵۴] سزا بدلہ۔

خواہم زپلکاں ہمتے تاگیرم دل قوتے | وز قوتِ دل سطوتے یابد تنے کزوے شمید[1]
زیں دم کہ آتش مے جہد دشمن از آتش کے رہد | وراز تنش دریا زہد گرددچو لفت[2] آنچہ زہید[3]

انگریزوں سے خطاب

درکارنامۂ روزوشب دیداز تو افتادہ شغب | ایں گنبد دوّار ولب درزیر دنداں میگزید
تا افگند درگو ترا آں گو کہ بیروں شو ترا | زانجا بروز و شو[4] ترا نا ید بدستانے پدید
گردوں ہمہ تن سینہ باد وآں سینہ پرازکینہ باد | وآں کینہ اش دیرینہ باد چوں باتو خشمیں بستہید[5]
باہر کہ درآمیزشی بنہفتہ در آویزشی | در شہر شور انگیزشی جز تو کجا کس بنگرید
عہدِ تو باکس بستہ نیست کاں زاں سپس بشکستہ نیست | دل نہ کہ خارت خستہ نیست کز باغ تو دل نشگفید
بدخوئی تو بیم ہا افگندہ در اقلیم ہا | وز کا خہا و تیم ہا آسودگی از تو رمید

اس قصیدے سے ادیب کا انگریزوں سے شدید جذبۂ انتقام ظاہر ہوتا ہے اور حد درجے کی نفرت، سینہ و کینہ والا شعر کتنی زوردار اور سنگین بددعا ہے۔ اس شعر سے انگریزوں کے خلاف ادیب کے جذبات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ میں نے کسی بددعا میں اتنی شدت کبھی نہیں دیکھی۔ کائنات کی تمام فضا ایک سینہ بن جائے۔ پھر وہ سینہ کینے سے لبریز بھر جائے۔ اس کینے میں پرانے کینے کی تندی اور سختی ہو اور پھر زمانہ اس کینے کے ساتھ انگریزوں سے انتقام لے۔

انگریزوں کی ہر ظاہری آمیزش کو باطنی آویزش کہا ہے اور یہ مبالغہ بھی نہیں۔ انگریزوں کے عہدو پیمان کی حقیقت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ہندوستان انگریزوں کے خلاف ہمیشہ یہی شکایت کرتا رہا ہے۔ روئے زمین کے ہر گوشے میں انگریزوں نے جو بے اطمینانی پھیلائی ہے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔

---

[1] ڈرتا تھا۔ [2] آتشِ سیال۔ [3] پانی کا بہنا۔ [4] رات شب۔ [5] لڑنا جھگڑنا۔

ایک اور قصیدے سے تغزل کے چند شعر اور ہندوستان کے متعلق کچھ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

ہر کجا خوبے ست من مولائیمش — عاشقِ خال و خطِ زیبائیمش
ناظرِ خورشیدم اندر ہر افق — ہر کجا خورشید من حربائیمش[1]
ہر گلے کز ہر چمن خنداں شود — من چو بلبل شاد با سودائیمش
روح را چوں جز شمیمش مایہ نیست — زاں غلامِ زلفِ عنبر سائیمش
بادہانش اسلفتے دارم فزوں — گرچہ من شیدائے سرتاپائیمش

ای برادر کشورِ ہندوستاں — دیدہ ام دوشینہ در رویائیمش
بر مثالِ مرغکِ بے بال کز — نالۂ زارش کنوں درواٗیمش[2]
شد مصور پیشِ چشمم ہمچو ماہ — ہمت و دیدم در آں اثنائیمش
گفت ہمت گرچہ بالش سود و پر — من مسیحِ بال و پر بخشائیمش
گفت ہمت ہر کہ شد در من فنا — تا قیامت ضامن القائیمش

یہاں ہندوستانیوں کو آزادی حاصل کرنے کے لئے کمرہمت باندھنے کی ترغیب دی ہے

ایک اور قصیدے میں انگریزوں سے خطاب ہے۔

اشترِ ہندِ تو بود ہند و کنوں کیں گرفت — جاں نبرد سارباں چوں شتر آورد کیں
بندِ عقالِ[3] ترا زانوئے او بُد مکاں — بر برو پہلوت گشت جائے عقالش مکیں
مارفسوں خواندہ بود ہند بدست اندرت — مارفسا[4] یندہ را مار کشید با یقیں
بس رگِ جانِ کساں گشت گسستہ زتو — بگسلد روزگار نیز و ریدو و تیں[5]

---

[1] جان پرست آفتاب پرست۔ [2] درواشیدا متحیر۔ [3] زانو بند شتر۔ [4] مارگیر۔ [5] رگ قلب۔

برتو کشادہ مباد چرخ بروی و بروؔ[1] | جز کہ بیاوردہ خشم جز کہ در افگندہ چین
کشتی عمر تو باد رفتہ فرو لخت لخت | تختۂ در قلزم و تختۂ در بحرِ چین
خواستہ ام از خدا تاکہ بہ بینم ترا | روبہ ذم در تلہ گربۂ بے پوستیں
لوح دعائے مرا بخش نگارِ قبول | اے کہ کفِ فیضِ تو نیست بہ بخشش ضنینؔ[2]

شروع کے شعروں میں ہندوستانیوں کی سیاسی بیداری کا ذکر ہے اور آزادیٔ ہند کی پیش گوئی ہے جو بفضلہٖ تعالیٰ پوری ہو رہی ہے۔

اس کے بعد دعا ہے۔ یا بالفاظِ دیگر انگریزوں پر بد دعا۔ اِن شعروں کے ایک ایک لفظ سے خلوص۔ حُبِّ وطن اور بغضِ اغیار کے جذبات پھوٹ پھوٹ کر نکل رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ادیب کا جسم ایران میں اور دل ہندوستان میں ہے۔ یہ خلوص و درد اور سوز و گداز سے بھری ہوئی دعائیں آخر قبول ہوئیں کیونکہ خدا فی الواقعہ دعائیں قبول کرنے میں بخیل نہیں۔

ہر چہ ہست از قامتِ ناساز و بے اندام ماست
ورنہ تشریفِ تو بر بالائے کس کوتاہ نیست (حافظ)

ادیب کی خمریات کا اسلوب اِن اشعار سے معلوم ہو سکتا ہے۔

ساقی مگر بر جائے مے آتش زمینا ریختہ | آتش بے سرمائے دی در جامِ صہبا ریختہ
ساقی بے افگندہ پے در جام جم پالودہ مے | وز نوش لب دارو ئے کہ بر زخمِ دلہا ریختہ
چوں با جگر آمیزدت تف از جگر انگیزدت | سستی زتن بگریزدت گرد ز اعضا ریختہ
چوں ماہی بریاں اگر پیچیدۂ دستار در | صُور سرافیلے نگر کا وائے احیا ریختہ
سوز ز آغازت زباں چوں پور عمراں بگماں | وانگہ بفرقت رائگاں نورِ تجلا ریختہ

---

[1] ابرو کا مخفف۔ [2] بخیل۔

ہندوستان کے متعلق ایک اور قصیدے کے کچھ شعر دیکھئے۔

باغی اے ہندوستان بے یک وپا گلہ بزاں
کت بود گرگے شباں وزاغ دوں خنیاگرے

چونی اے خائندہ شکر طوطئ شیریں مقال
کت بود زاغ خطیب بر شدہ بر منبرے

جز مگر بیدانشی وجز مگر ناداں امیر
نیست اے ہندوستاں ہیچت گناہ دیگرے

عاقلے نواب دہراج تراچوں دہر گفت
اینست غافل مہترے آنست جاہل سرورے

دزد کافر خوی وتو ناداں وزر بے پاسباں
گر برد یکبارہ نبود معجب و مستنکرے

اے مسلماں مر ترا وے برہمن ہم مر ترا
از ثریا برد ایں بیدانشی اندر ثرے

خانہ زان تو وبیگانہ درآں فرماں روا
پس مگر خانہ من است ایں عاریت[1] ان یا کرے

اے مسلماں وے برہمن الخجا[2] الخجا
تاکہ ملکت بے دریغ آید بہر چوں دلبرے

باتو مے گویم مباش اے سادہ دل ہندو پسر
در طریق جاں سپاری کم ز ہندو دخترے

چوں سپردہ شد طریقت کفر ودیں گرددیکے
بیگمانت ایں ز من بایست کردن باورے

مور دش اینجاست اے ہندو مکن دیگر جدال
خصم کار افزاست کم کن اے مسلماں ماجرے

شش جہت گرددیکے چوں بگزری زیں چنبرہ
حق پرستاں راچہ قبلہ آدر وچہ ایدرے

سوئے آتش اے برہمن شاد رو ہمچو ستی
سوئے شمشیر اے مسلماں شاد رو چوں جعفرے

گر بہ باشد زبوں چوں دل فراہم نیست موش
مور خاطر جمع در دیوست بر شیر نرے

از غمت اے گلستان ہند روز وشب منم
رستہ اندر آب چشم خویش چوں نیلوفرے

تو بدیں جانے کہ داری ننگ ہر جانادری[3]
شہسوارے شو مکن خر بندگی پیش خرے

تو بمیداں اندر آی وہمچو مرداں تیغ زن
بزم مرداں را نشاید جز چنیں ساغر خورے

جز کہ دیو ودد ز بہر جان اہل آسیا[4]
بچہ ہرگز نزادہ دراروپا[5] مادرے

[1] کرایہ۔ [2] جلدی [3] جانور۔ [4] ایشیا [5] یورپ

ہندوستانیوں کو مذہبی جھگڑے چھوڑنے کی اور وسعت مشرب کی ترغیب دی ہے۔ راجاؤں اور نوابوں کا گلہ کیا ہے۔ دل مضبوط رکھنے کی تعلیم دی ہے۔ ہندو مسلم اتفاق پر زور دیا ہے۔ ہندوستان کی بدحالی پر اپنی لاچارنالی بیان کی ہے اور آخری شعر میں یورپ اور ایشیا کے متعلق جو کچھ کہا ہے، اس کا ایک ایک حرف حقیقت کا آئینہ ہے۔

تجدید مطلع کے بعد پھر اسی قصیدے میں کہتے ہیں۔

آمد اندر کشور ہندوستاں سوداگرے — کردہ پنہاں زیر خاکستر بحیلت اخگرے
بعد چندے زیر خاکستر فروزینہ[1] نہاد — تا کہ دود فتنہ بالا زد سراز ہر کشورے
آسماں با آزِ او از چشم سوزن تنگ تر — ویں زمیں در گازِ او چوں زر بدست زرگرے
کشتی کیدش رواں عرادہ مکرش دواں — آں میانِ بحر او ویں درمیان ہر برے
ہم بدیں پیماں وعہد آمد ز لندن تا کجا — تا لیجوں ہم ز لیجوں زد سوئے پیشاورے
ہم ہوا مسموم گرد د ہم زمیں زہر آب دم — ہر کجا زیں قوم یکتن بگذرد چوں عابرے
کار ایراں ایں چنیں ناساختہ از ساز کید — کش نہ بابے بماند و در کف و نہ بنصرے
آنچہ اکنوں میرود زیں قوم اندر مصر و ہند — در بخارا از تتر[2] ہر گز نرفت و در ہرے
نیست مارے در بُنِ غارے کہ بہر زہر او — خلق تریاقے نکردو نا فریبا د منترے
بہر زہر تو قضا خواہد فرستادن ترغیب — زہر کش تریاکے و ہم مار گیر افسونگرے
طبلِ رسوائیش در عالم بکوب اے عدلِ حق — بہر عدل تو نخواہد یافتن کس داورے
اضطرابش باعثِ آرام جانِ عالم است — زندہ کن عالم بمرگِ ایں چنیں بدگوہرے

اِن اشعار میں انگریزوں کا ہندوستان میں سوداگربن کر آنا۔ زیر آستیں خاکستر میں فتنے کی

---

[1] خس و خار و خاشاک۔ [2] تاتار

چنگاریاں لانا۔ انگریزوں کی بے انتہا جوع الارض۔ ان کی مقراض کی پیراہن نوازی۔ جھوٹے عہد و پیماں کے ذریعے کہاں سے کہاں تک پہنچنا۔ جہاں جانا وہاں کی ہوا کو زہریلا بنانا۔ مختلف ممالک کو قطعاً بے دست و پا کرنا۔ انگریزوں کو سانپ کہنا اور ان کے زہر کے لئے خدا سے تریاک کی دعا کرنا اور ان پر بددعا کرنا مندرجہ بالا اشعار کا ماحصل ہے۔

غزلیات | اب ادیب کی غزلیات کے چند شعر درج کئے جاتے ہیں۔ تاکہ ان کی غزل کے انداز کا اندازہ ہو سکے۔

از فراقِ روئے تو اے شب مرا میرسد ایں نیمہ جاں بر لب مرا
گر مسلماں ور کہ کافر خوانیم نیست جز عشق اے صنم مذہب مرا

چوں کبوتر مرغ دل در دست تست پر زناں در پنجہ شاہیں مرا
آں فسوں گر کیست کز افسوں او گشتہ آئینِ شمن[1] آئیں مرا

---

[1] بت پرست

دل نہ تنہا تو از کون و مکاں مستغنی[2] است کہ بسودائے تو از اندیشہ جاں مشتغل است
مردم دیدہ ازاں لحظہ کہ از روئے تو گل چیدن آموخت ز گلزار جہاں مشتغل است

---

[2] مستغنی

بر سماعِ بلبلاں گل جامہ مے درّد بشوق تا نہ پنداری ز شوقِ بلبلاں آگاہ نیست
نیستی آسودہ خاطر زانکہ از شاخِ رطب دست تو کوتاہ و دستِ آرزو کوتاہ نیست

دانہ و دام بجز خال و خطِ خوباں مباد زانکہ کاروبارِ گیتی غیر دانہ و دام نیست

گرد غارت چشم تو خوابم از آنک روز و شب چشم تو جز خوابیدہ نیست

ازیں محیط کہ ہیچش کرانہ نیست پدید بجز بے نتوانیم برکنارہ کشید
بیار جامِ ہلالی توا ے برخ چوں ماہ کہ بدر دیم بدیں داس غم زدل چو خوید

درصورتِ لیلیٰ ہمہ کس دیدہ معنی نگریست بہاں دیدہ کہ مجنوں شدنی بود
ہر سینہ بجز سینۂ موسیٰ پے آتش کز طور برافروخت نہ کانوں شدنی بود
عشقِ تو یکے خانہ ہے جست درآفاق برکلبۂ آدم زد و مسکوں شدنی بود
قانع شدے ازلبِ شیریں تو باسے گرچارۂ میخوارہ بافیوں شدنی بود

باخوئے جہاں ساختے چوں دگراں من
گر ہمتِ من چوں دگراں دوں شدنی بود

برکلبۂ آدم زد۔ والے شعر کے ساتھ حافظ کا یہ شعر بھی پڑھ لیجئے۔

جلوۂ کرد رخش دید ملک عشق نداشت عین آتش شدازیں غیرت وبرآدم زد

بہار آمد ہموارہ درگلستاں باش بہر کجا کہ دمد گل ہزاردستاں باش
چو غنچہ خونِ جگر میخوار از دروں لیکن بچشمِ خلق چو گل تازہ روی وخنداں باش
زخود چو مایہ ندارد ازاں بکاہد ماہ ہمیشہ از گہرِ خود چو خور زرافشاں باش

دوسرے شعر کے متعلق حافظ کا شعر بھی سنئے۔

بادلِ خونیں لبِ خنداں بیاید ہمچو جام
نے گرت زخمے رسد آئی چو نے اندر خروش

اے فتنۂ آفاق مداں جادوئے مکحول　　　مشتغل از خلق و جہانے بتو مشغول

سحر بوئے نسیمت بمژدہ جاں سپرم　　　اگر اماں دہد امشب فراق تا سحرم

بگشت غمزۂ خونریز تو مرا صد بار　　　من از خیالِ لبِ جانفزات زندہ ترم

برغم فلسفیاں بشنوایں دقیقہ زمن　　　کہ غائبی تو وہرگز نرفتی از نظرم

ساقی بیا و درگہ مے خانہ باز کن　　　مطرب تو نیز پردۂ مستانہ ساز کن

طرزِ غزل رہا کن و حکمت طراز باش　　　بشنو زمن حقایق و ترکِ مجاز کن

مکن اے خواجہ ملامت کہ پس از عہد شباب　　　ہوسِ دلبر و را مشگر و ساقی دارم

وامِ ایامِ جوانی ست کہ نگزاردہ ماند　　　خواہم۔ ار عمر اماں نے دہدم۔ بگزارم

زشمشیرِ محمود برّندہ تر　　　نگاہے کہ چشم ایاز آورد

مندرجہ بالا تین شعر اور مجنوں شدنی والا شعر مرزا عبداللطیف خاں نے خاص طور سے دیوانِ ادیب سے منتخب کئے تھے۔

قطعات | چند متفرق شعر اور سنئے۔

برزخِ نیستی و ہستی ست پایہ ام　　　مارا مجالِ بحثِ وجود و عدم کجاست

گیتی پُر از خسانِ پرندہ زباد ہاست　　　مردے چو کوہ ثابت و راسخ قدم کجاست

بگذر ازیں ہمہ کہ زدل رست بیخِ غم　　　سیلے کہ برکند زدلم بیخِ غم کجاست

ظلمت فراگرفت اقالیم شرق را　　　رخشندہ آفتاب کہ روبد ظلم کجاست

آتشے کز جگرِ جام دلم را بفروخت　　　دود ازیں ملک دوسہ روزہ برآورد و بسوخت